سرزمینِ شام میں کتابیں اور کتب خانے

قدیم ترین لائبریریاں اور نفیس ترین کتابیں

از: استاذ محمد کرد علی ــــ سابق وزیرِ تعلیم شام

مترجم عبدالاحد عزیز ــــ فاضل جامعۃ الازہر قاہرہ

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عربوں نے اپنے تاریخی آثار کی تدوین عربی زبان میں دورِ جاہلیت میں نہیں کی۔ اس لئے کہ عربی رسم الخط بعد کی پیداوار ہے جو عربوں کو اسلام سے کچھ زمانہ پیشتر "انبار" سے ملا۔ لیکن عرب جمع و تدوین تک ان لوگوں سے پہلے پہونچ چکے تھے جو جزیرۂ عرب کے باہر رہتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اسلامی عہد کے آغاز میں عراق اور شام میں یہ چیز زیادہ واضح اور روشن ہے۔ سب سے اہم اور قدیم عربی مرقوم جو شام میں داخل ہوا وہ تمیم داری اور ان کے بھائیوں کے نام "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا نامۂ مبارک ہے۔ جس میں ان کو حبرون یعنی خلیل، مرطوم، بیتِ عینون اور بیتِ ابراہیم کے علاقے دینے کے بارے میں مرقوم تھا۔ صاحبِ "مسالک الابصار" ابن فضل اللہ العمری نے اس نامۂ مبارک کی زیارت ۷۴۵ھ میں کی۔ گمانِ غالب ہے کہ موصوف نے اس خط کا فوٹو دیکھا ہے۔

اس خط اور خط میں ظاہر کئے گئے عہد سے متعلق علامہ کیر نکو کا کہنا ہے کہ یہ عہد و وصیت مصنوعی ہیں۔ متقدمین کو اس کے بارے میں دھوکا ہوا ہے۔ ملکیتِ زمین کا واقعہ شام کی فتح سے پہلے کا ہے۔ رسول اللہؐ نے تمیم داری اور اُن کے بھائی نعیم کو ان بستیوں کا مالک بنایا تھا جس میں ان کو اپنے سے لائے رکھنے کی سیاست، یا پھر شام کو فتح کرنے کی امید شامل تھی۔

قدیم اہم ترکتاب جو شام میں پہونچی، وہ حضرت عثمان غنیؓ کا مصحف ہے۔ جس کو انھوں نے ۳۰ھ میں دمشق بھیجا تھا۔ اسی طرح دوسرے علاقوں کے بڑے بڑے شہروں کو بھی اسی قسم کے مصاحف بھیجے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصحفِ عثمانی سے چند مصاحف نقل کیے گئے جنھیں "امہات المصاحف" کا درجہ دیا گیا جن میں سے ایک نسخہ طبریہ میں اور ایک نسخہ قنسرین میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد قرآن کے نسخے بکثرت ہو گئے۔ لیکن ان میں سے بہت سے مصاحف اس آگ میں جل گئے اور ضائع ہو گئے جس سے مساجد اور جوامع کو مختلف ادوار میں دوچار ہونا پڑا۔ جب کبھی کوئی پرانا مصحف جلتا تو لوگ کہتے کہ یہی مصحفِ عثمانی ہے۔ حالانکہ یہ مصحفِ عثمانی نہیں بلکہ یہ وہ مصحف تھا جس کو مصحفِ عثمانی سے نقل کیا گیا تھا۔ میرے دوست شیخ مسعود الکواکبی نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ وہ کئی بار ایک ایسے مصحف کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ جس پر لکھا ہوا ہے "عثمان بن عفان نے اس کو لکھا" اور یہ مصحف جامعہ آبا صوفیا کے کتب میں محفوظ ہے۔

یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے۔ کہ اسلام میں سب سے پہلا خزانۂ کتب دمشق میں قائم کیا گیا۔ جس کی بنیاد کا سہرا مروانی خاندان کے حکیم خالد بن یزید اموی ۸۵ھ کے سر ہے۔ دمشق کے اس خزانۂ کتب کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں مل سکی ہیں۔ لیکن اتنی بات قطعی ہے کہ اس کتب خانے میں بعض ایسی کتابیں ضرور تھیں جن کو حکیم موصوف قبطیہ، یونانیہ اور سریانیہ سے لایا تھا۔ جو کیمیا، طب اور نجوم وغیرہ سے متعلق تھیں اور ابن السنبدی کے بیان کے مطابق جس نے قاہرہ کے خزانۂ کتب کی زیارت ۴۳۵ھ میں کی، یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ اس میں (خزانۂ خالد) جغرافیہ سے متعلق بھی کچھ چیزیں تھیں۔ کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس خزانۂ کتب میں بطلیموس کے ہاتھ کا بنا ہوا تانبے کا ایک گیند تھا جس پر لکھا تھا کہ میں نے اس گیند کو فرمانروائے سلطنت خالد بن یزید ابن معاویہ سے حاصل کیا۔ ابن سنبدی نے مزید کہا ہے کہ (خزانۂ خالد) میں خاص طور سے نجوم، ہندسہ اور فلسفہ سے متعلق ۶۵۰ کتابیں تھیں، یہ بات بھی صحیح ہے کہ خالد بن یزید کے خزانے میں عبید بن شریۃ الجرہمی کی کتاب بھی تھی جس کو اس کے دادا حضرت معاویہ نے صنعائے یمن سے حاصل کیا تھا۔ تاریخی واقعات میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ نے عبید سے گزشتہ تاریخی حادثات، عربی اور عجمی بادشاہوں کی داستانوں اور زبانوں کی کثرت کے اسباب اور ایک ہی ملک میں لوگوں کے فرق و امتیاز کے متعلق دریافت کیا تو عبید نے اس کا تفصیلی جواب دیا تھا پھر حضرت معاویہ کے حکم سے

ان کو مدون کر کے عُبید بن شریہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ کتاب الأمثال اور کتاب الملوک واخبار الماضیین بھی مذکورہ کتاب کی طرح عبید کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اُن کا شمار پہلی صدی کے پہلے نصف کی پہلی تصانیف میں ہوتا ہے۔ وہب بن منبہ جن کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے۔ ان کی طرف بھی ایک تصنیف کا انتساب کیا جاتا ہے جس میں حمیر کے بادشاہوں کا ذکر ہے اور جس میں ان کے تاریخی واقعات کے ساتھ ان کی قبروں اور ان کے ادب اور شعر و شاعری کی باتیں شامل ہیں۔ ابن خلکان نے ۶۵۰ھ میں اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔

دوسری صدی آئی تو شام کے اعصاب، سلطنت کے بنی امیہ سے نکل کر بنو عباس میں چلے جانے کی وجہ سے بُری طرح متاثر ہوئے کہ یہ تک نہیں نقل کیا گیا کہ اس میں کوئی خزانہ کتب بھی تھا۔ اور نہ خواص میں سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہوا اس کے بارے میں کہا جا سکتا کہ وہ کتابوں کے جمع کرنے کا شوقین ہے۔ تو یہ معمولی سی کتابیں لازماً اس وقت مسجدوں میں رکھ دی جاتیں، یا پھر خواص کے گھروں میں ہوتیں، یہ حال صرف شام ہی کا نہیں تھا اکثر اسلامی ممالک کی یہی کیفیت تھی، مگر چونکہ تدوین کا آغاز پہلی صدی میں ہو چکا تھا اس لئے دوسری صدی کے آتے ہی کتابوں کی کثرت ہو گئی۔ زہری کی سیرت میں لکھا ہے (ان کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی۔ جو تابعین کی نامور شخصیتوں میں سے ہیں) کہ جب وہ اپنے گھر میں ہوتے تھے تو اپنی ساری کتابوں کو اپنے اردگرد رکھ لیتے۔ اور ہر چیز سے بے خبر ہو کر مطالعہ میں منہمک ہو جاتے۔ ان کے اس شغف کو دیکھ کر ایک بار اُن کی بیوی نے اُن سے کہا کہ خدا کی قسم یہ کتابیں تو مجھ پر تین تین سوکنوں سے بھاری ہیں۔ یہ کتابیں زمانہ کے دست و برد سے محفوظ نہ رہیں، اور ضائع ہو گئیں۔ لیکن مغرب کے لوگ بہت ہوشیار ہیں۔ وہ تدوینیات کی حفاظت میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ یورپ میں سب سے پرانی کتاب کا زمانۂ تالیف دوسری صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔ عباسی دور کے ممتاز حکمراں ہارون رشید اور مامون سے پہلے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کسی خزانے میں کتابیں جمع کی گئی ہوں، اور پھر اس کا نام دار الحکمت یا بیت الحکمت یا بیت المعرفت رکھا گیا ہو۔ اس دار الحکمت کی حیثیت ایک جامعہ کی ہوتی جس میں ایک لائبریری ہوتی جہاں اہلِ علم جمع ہوتے۔ تبادلۂ خیالات اور مطالعہ و تحقیق یا نسخ و کتابت کرتے۔ ان کا منتظم وہ شخص ہوتا تھا۔ جن کی عقل و امانت اور جن کے علم پر بادشاہ کو بھروسہ ہوتا تھا۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔ تیسری صدی میں اس میں کچھ فتور آیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یہ بیت الحکمت علم و حکمت کے شہر بغداد میں پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔ عباسی دور کا ایک

وزیر جسے ابوالنصر سابور بن اردشیر کہتے ہیں۔ اس نے پانچویں صدی کے درمیان بغداد کے ایک گاؤں کرخ میں ایک مکان کی بنیاد دارالعلم کے نام سے رکھی۔ اور اس کو وقف کرکے وہاں بہت ساری کتابیں منتقل کیں۔ عباسیوں کی پیروی میں فاطمی دور کے خلفاء نے بھی قاہرہ میں ایک دارالعلوم کی اساس رکھی۔ حاکم بأمر اللہ نے ۳۹۵ھ میں اس کی تاسیس کی اور اس کو فرش و قالین سے مزین کرکے بڑی اور عظیم کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ دو عالم سُنّی بھی وہاں رکھے۔ ابن قاضی شہبہ نے کہا ہے کہ حاکم بأمر اللہ کی علم دوستی تین سال تک رہی۔ اس کے بعد وہ اہلِ علم کو قتل کرنے لگا۔ اور اس دارالعلم کو بند کر دیا۔ ۴۰۰ھ سے پہلے شام میں کوئی دارالعلم نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد بنو عمار نے طرابلس میں ایک دارالحکمت کی بنیاد ڈالی۔ اور کفرطاب اور معرۃ دونوں مقامات میں خزائنِ کتب تھے جن کی زیارت ابوالعلاء المعری نے کی تھی۔ بعض معاصر مؤلفین کا کہنا ہے کہ یہ خزانہ بنو عمار کے زمانہ کا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ بنو عمار سے کچھ مدت پہلے کا ہے۔ اس لئے کہ بنو عمار کے قضاۃ طرابلس پر ۴۶۲ھ کے بعد غلبہ حاصل کر سکے ہیں۔ ابوالعلاء المعری طرابلس چوتھی صدی کے اواخر میں گیا ہے۔ اور اس زمانے میں اس نے وہاں کے خزانے اور وہاں کی موقوفہ کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ نیز بنو عمار کا سب سے پہلا قاضی جو مستنصر باللہ فاطمی کے دورِ حکومت میں منصبِ قضا پر آیا وہ ابوطالب عبداللہ بن محمد بن عمار ہے اور اس کے اس منصب پر آنے کی تاریخ چار سو چالیس (۴۴۰) کے حدود میں بتلائی جاتی ہے۔ اور یہ بنو عمار بدر بن عمار کے خاندان سے ہیں۔ جو ساحل کا گورنر تھا۔ اور یہ وہ شخص ہے جس کی متنبی نے کئی بار مدح کی ہے۔

حلب کی جامع مسجد سے ملحق شرقیہ میں اہم ترین کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ جس کا نام خزانۃ الصوفیا تھا سوءِ اتفاق سے کسی عاشوراء کے دن اہلِ سنت اور شیعہ میں کوئی فتنہ برپا ہوا۔ جس کی کمان اس خزانے پر ٹوٹی اور پورا خزانہ لوٹ لیا گیا۔ یہ واقعہ ابوالعلاء المعری کے زمانے کا ہے اس کے بعد اس میں معدودے چند کتابیں باقی رہیں۔ باقی سب ضائع ہو گئیں۔ ابن الندیم نے کہا: کتابوں کی ازسرِنو بازیافت ملک رضوان کے ایک وزیر ابوالنجم صبۃ اللہ بن بدیع نے کی۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اس پر بہت سی کتابیں وقف کیں۔ ابن سنان الخفاجی ۴۶۶ھ نے خزانے کا تذکرہ اپنے قصیدۂ یائیہ میں کیا ہے۔ جس کو انھوں نے قسطنطنیہ سے اپنے کسی دوست کے نام لکھا ہے جس میں وہ بطور خوش طبعی فرماتے ہیں :-

"(۱) ابوالحسن کو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ یہ بے وفائی تو شیعوں کی عداوت کی طرح ہے۔
(۲) میں تمہارے متکبرانہ کارناموں کو رنگ دے کر بیان کروں گا۔ اور جو شکایت مجھے تم سے ہے
اسے چار دانگ عالم میں مشہور کر دوں گا۔ (۳) عاشورا کے روز شرقیہ میں تمہیں اس قضیہ کے
تصفیہ کے لئے ضرور بٹھاؤں گا۔ (۴) اور تمہارے خلاف وہ فتنہ برپا کروں گا کہ تم خزانۃ الصوفیہ
کے واقعے کو بھول جاؤ گے"۔

حلب کا یہ خزانہ ساتویں صدی ہجری تک مطالعہ و تحقیق سے شغف رکھنے والے لوگوں سے آباد رہا۔ حلب میں اس کے علاوہ ایک اور اہم لائبریری تھی۔ جس کو سیف الدولہ بن حمدان نے قائم کر کے اس میں بہترین کتابوں کا بلند پایہ ذخیرہ جمع کیا۔ لیکن اس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ لائبریری خزانۃ الصوفیہ کی طرح عام تھی یا وہ اُس کے بانی سیف الدولہ اور اس کے محل میں رہنے والے لوگوں کے لئے خاص تھی۔ بہرحال یہ بات شہرت پا چکی ہے کہ سیف الدولہ کو کتابوں کا بے انتہا شوق تھا۔ اس خزانے کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے جمع کرنے والوں میں خالدی نام کے دو شاعر ہیں۔ جو حلقۂ علم و ادب میں بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ اب پتہ نہیں اس لائبریری کا کیا ہوا۔ ممکن ہے جب رومیوں نے حلب پر حملہ کیا۔ اور سیف الدولہ کے قصر کو بربادی کا نشانہ بنایا تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ خزانہ بھی ضائع و برباد ہو گیا ہو۔

اوپر ہم نے بتلایا ہے کہ بادشاہوں کو لائبریریوں سے بڑا شغف رہا ہے۔ لیکن جب پانچویں صدی میں اس دیار میں مدارس کی کثرت ہوئی۔ تو یہ شغف اور بڑھ گیا۔ اب تو کوئی مدرسہ بھی شام کے شہروں میں ایسا نہ رہا جس میں لائبریری نہ ہو، چنانچہ حلب، دمشق اور قدس پرانے زمانے ہی سے علم کے گہوارے سمجھے گئے ہیں، ان شہروں کو علم سے کافی بڑا حصہ ملا تھا۔ اگر طرابلس میں دار الحکمت قائم کرنے کی کوششیں نہ ہوتیں، جس کے ذریعے کہا جاتا ہے کہ شیعیت کو ہوا دی جاتی تھی، طرابلس میں کتابوں کی کثرت کی بڑی وجہ عمدہ کاغذوں کا کارخانہ تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کارخانے میں کاغذ کی مختلف قسمیں تیار ہوتی تھیں۔ اس قسم کے کارخانے دمشق، حلب، منبج، طبریہ وغیرہ میں بھی تھے۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کی قائم کردہ لائبریریوں میں جو لائبریری پانچویں چھٹی صدی ہجری میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ وہ لائبریری ہے جسے نور الدین محمود بن زنگی نے اپنے مدرسہ پر وقف کر دیا تھا۔

پھر بعد میں وہ مؤرخ دمشق ابن عساکر کے دوست محمد بن علی بن یاسر الجیانی الاندلسی کے زیر نگرانی آگئی۔ جس کی وہ تنخواہ بھی پاتا تھا۔ پھر اس نے اپنی ساری کتابوں کو محدثین پر وقف کر دیا۔ اس زبردست کارنامے کے بعد ۵۶۳ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

نورالدین نے دمشق میں ایک بیمارستان کی تعمیر بھی کی تھی۔ جس پر اس نے بہت سی طب کی کتابیں وقف کیں۔ اور یہ اس کی عام عادت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی مملکت میں بسنے والے تمام ہی اہل علم پر کتابوں کا بڑا ذخیرہ وقف کیا۔

صلاح الدین یوسف نے حلب کی لائبریری سے بہت سی کتابیں افضل ابوسعید بندھی (بنجدیہی) کو بطور ہدیہ عنایت کیں۔ یہ صاحب اس کے بیٹے کے مؤدب یعنی مربی تھے۔ بلکہ ان کے لئے اس نے وہاں کی ساری کتابیں مباح کر دی تھیں۔ انھوں نے وہاں سے ایسی ہی کتابیں حاصل کر کے جمع کیں۔ جن کو ان کے علاوہ کوئی اور حاصل نہیں کر سکا۔ اور پھر انکو دمشق کی سیمساطی خانقاہ پر وقف کر دیا۔ صلاح الدین کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ اپنے خاص لوگوں کو یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ لائبریری سے جا کر جتنی کتابیں چاہیں لے لیں۔ مصر میں اس نے اپنے وزیر قاضی فاضل کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔ اور فاطمیوں کی لائبریریوں کا ایک گراں قدر ذخیرہ اسے دیدیا۔ اسی طرح کاتب عمادالدین کو بھی کتابوں کے کئی ذخیرے دیئے۔ مذکورہ لائبریریوں میں راویوں کے بیان کے مطابق دس لاکھ کتابیں تھیں۔ جس میں صرف تاریخ طبری کے ایک ہزار دو سو (۱۲۰۰) نسخے تھے۔ اتنی زبردست اور گراں مایہ کتابوں کا ذخیرہ جس سے بڑھ کر اسلامی شہروں میں کوئی اور کتب خانہ نہ تھا۔ اسے ضائع اور برباد ہونے سے کوئی بچا نہ سکا، یہ لائبریری بیچ دی گئی۔ اور وہاں کا سارا اثاثہ تہس نہس ہو گیا — صلاح الدین نے اپنے وزیر قاضی فاضل کو آمد کی فتح کے بعد وہاں کی لائبریری سے کتابیں ہبہ کیں۔ اس لائبریری میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں، اس میں سے قاضی فاضل نے ستر گٹھوں کا انتخاب کیا۔ بعد میں قاضی موصوف نے ان ہزاروں کتابوں کو جن کو اس نے بادشاہوں کی عنایتوں سے حاصل کیا تھا۔ قاہرہ کے ایک مدرسہ پر وقف کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اور اس کے بیٹے کتابوں کی تجارت کرتے تھے۔

شام کی لائبریریوں میں وہ لائبریری بھی قابلِ ذکر ہے جس کو علی بن طاہر سلمی النحوی (۵۰۰ھ) نے دمشق کی جامع مسجد میں قائم کر کے اس پر بہت ساری کتابیں وقف کی تھیں۔ ایسے ہی تاج الدین کندی کی بھی جامع اموی دمشق میں ایک لائبریری تھی۔ جس میں ہر اچھی کتاب موجود تھی۔ شرف الدین بن عروۃ الموصلی کی طرف بھی اسی جامع اموی میں ایک

لائبریری کا انتساب کیا جاتا ہے۔ کہ اس نے اس پر اپنی ساری کتابیں وقف کردی تھیں۔ اہم ترین لائبریوں میں حلب کی لائبریری بنو جرادۃ العلماء بھی شہرت کی مالک ہے۔ صرف ابوالحسن بن ابی جرادہ ۵۴۸ھ نے اپنے ہاتھ سے نفیس ترین کتابوں کے تین گھٹے لکھ کر اس میں جمع کردیئے۔ نیز ان کے صاحبزادے ابوالبرکات اور ان کے پوتے عبداللہ کے بھی اس میں حصے تھے۔ موفق الدین ابن مطران ۵۸۷ھ کی جب وفات ہوئی تو اُن کے ذاتی مکتبہ میں تقریباً دس ہزار کتابیں تھیں۔ یہ کتابیں ان کے علاوہ ہیں جن کو انھوں نے خود لکھا تھا۔ یوں ان کی خدمت میں تین کاتب رہتے جو صرف ان کے لئے کتابیں لکھا کرتے تھے۔ امین الدولہ سامراوی بھی جب قریب المرگ ہوئے۔ تو ان کے پاس بیس ہزار کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ تھا۔ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ دمشق کے مدرسۃ الطب کے مؤسس مہذب الدین الدخوار جن کا شمار ساتویں صدی کی ممتاز شخصیتوں میں ہے۔ انھوں نے علم الہیئت اور نجوم میں جن آلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان سے متعلق کتابوں کے ساتھ ساتھ ایسی کتابیں جمع کیں۔ جو صرف انھیں کے پاس تھیں۔ جمال الدین بن قفطی ۶۴۶ھ نے حلب میں کتابوں کا وہ ذخیرہ جمع کیا۔ جس کی توصیف بیان سے باہر ہے۔ ان کی لائبریری قیمت میں پچاس ہزار دینار کے برابر تھی۔ قطب الدین نیشاپوری کے خزانے کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ جس کو اس نے دمشق کے ایک مدرسہ پر وقف کردیا تھا۔ ناصر بن عیسیٰ ۶۵۶ھ جس کا شمار اس دیار کے فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔ اس کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس سے پہلے نورالدین محمد بن عمر بن شاہنشاہ جو کسی زمانے میں حمات کا مالک تھا۔ اس نے غیر معمولی کتابیں جمع کیں۔ اس کی خدمت میں تقریباً دو سو[2] عمامہ پوش فقیہ، ادیب، نحوی اور وہ لوگ رہتے تھے جو حکمت، نجوم اور نسخ و کتابت سے غیر معمولی اشتغال رکھتے تھے، بادشاہ اشرف موسیٰ نے ۶۳۵ھ میں دمشق کے مدرسہ اشرفیہ پر اپنی ساری کتابیں وقف کردیں۔ آج کل مدرسہ اشرفیہ اور اس کا کتب خانہ ابن ابی اصیبعہ اور اس کے شاگرد ابن النقف کی نسبت سے مشہور ہے۔ آٹھویں، نویں اور دسویں صدی کے کتب خانوں میں جن کا علم ہم کو ہو سکا ہے۔ ان میں ابوالفدا کا کتب خانہ قابل ذکر ہے۔ اس نے بڑی کتابیں اکٹھا کیں۔ اور سب کو جامع الدہشہ پر وقف کردیا جو کسی طرح سات ہزار سے کم نہیں تھیں۔

اس صدی میں بنی ایوب کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہوا جو کتابوں سے شغف رکھتا۔ اور اس کی خدمت کی خاطر مطالعہ کی راہ طالبین کے لئے پیدا کرتا۔ درحقیقت آٹھویں صدی شام میں ابن مبارک دور

کا فاقہ تھی۔ البتہ اخیر کے زمانوں میں ہزبر الدین داؤد ۱۸۰۰ھ یمن کے بادشاہ اس مبارک کام کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہ بہت علم نواز اور علماء کے قدر داں تھے۔ اہلِ علم کو تلاش کر کر کے لاتے اور اُن کی بڑی خاطر مدارات کرتے۔ نیز کتابوں اور مختلف تحفے تحائف سے اُن کو نوازتے تھے۔ مختلف علوم وفنون کی ایک لاکھ سے زائد کتابیں انھوں نے جمع کیں۔ ان کے پاس دس سے زائد نساخ اور کاتب تھے جن کا کام ہر وقت کتابیں لکھنا تھا۔ جو تکمیل ومقابلہ کے بعد کتابوں کو لائبریری میں پہونچا دیا کرتے تھے۔ اس دور کی لائبریریوں میں ناصر الدین العسقلانی ۷۴۳ھ کی لائبریری خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس نے اٹھارہ ایسی لائبریریاں جو نفیس اور عمدہ کتابوں کا گنجینہ تھیں اپنے پیچھے چھوڑیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم جوزیہ نے بھی ایک زبردست خزانہ حاصل کیا تھا۔ ایسے ہی زین الدین عمر قرشی دمشقی ۷۹۲ھ کو بھی نفیس ترین کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ مل گیا تھا۔ دمشق کے شہر کلاسارہ میں ایک لائبریری تھی جس کا نام خزانۂ فاضلیہ تھا۔ ۶۵۵ھ میں تقی الدین بُلدانی نے اپنی اکثر کتابوں اور مجموعوں کو وقف کر دیا تھا۔ شمس الدین بعلی نے بھی بہت سی کتابیں جمع کیں۔ اور اپنے خوبصورت خط سے بہت کچھ لکھا بھی (۷۷۴ھ) فتح الغارقی دو ہزار دو سو (۲۲۰۰) کتابیں اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ ابن رواحۃ الحموی کا مکتبہ اس کے مکتبہ میں تھا۔ اسی طرح بدر الدین بن خانی دمشقی نے دو ہزار (۲۰۰۰) کتابیں اپنے پیچھے چھوڑیں۔ شرف الدین البارزی الحموی ۷۳۸ھ نے کتابوں کا ایسا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ جو ان کے زمانے میں کسی کے پاس نہیں تھا۔ امیر سیف الدین ارغون (۷۳۱ھ) کا کتب خانہ اچھی کتابوں سے معمور تھا۔ مشہور ترین خزانوں میں ابو فضل اللہ العمری اور ابن مالک النحوی اور مؤرخ ابن خلکان کا خزانہ شامل ہے۔

عثمانی سلطنت کے بعض والیوں نے شام میں مختلف طریقوں سے کتابیں جمع کیں۔ جن میں سنان باشا جس کی طرف جامع دمشق کو منسوب کیا جاتا ہے قابلِ ذکر ہے۔ اس میں ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ایسے مصحف اپنے پیچھے چھوڑے جو ہیرے اور جواہرات سے مرصع تھے۔ اور کتابوں سے بھرے ہوئے پینتیس (۳۵) ایسے صندوق چھوڑے جن کا اندازہ قیمت سے نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ صندوق سونے چاندی اور یاقوت سے مرصع کئے گئے تھے۔ یہ سب چیزیں اس نے یمن اور شام وغیرہ سے حاصل کیں۔ اور ان کو آستانہ منتقل کر دیا۔ اخیر زمانے میں ترکی میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جو کتابوں کے ان بیش بہا اور قیمتی خزانوں کو آستانہ سے مدینہ منورہ لے گئے۔ ان میں شیخ الاسلام عارف حکمت ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی لائبریری کو جو کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھیں مدینہ منورہ کی ایک خاص جگہ پر وقف کر دیا۔ دمشق کی

جامع اموی میں فقہ مالکیہ سے متعلق ایک زبردست لائبریری تھی۔ جن کے انچارج اور متولی اِس مذہب کے مفتی محمد بن عبدالسلام تونسی تھے۔ گیارھویں صدی عیسوی کی ممتاز شخصیتوں میں علی دفتری نے بہت سی بیش قیمت کتابیں دمشق میں وقف کیں۔ لبنانی لیڈر بولس جو سنہ ۱۰ء میں ظاہر رہا۔ وہ ایک قلمی مخطوطات کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ ہمیں یہ بات نہیں معلوم ہوسکی کہ جنوبی دمشق کے پیچھے شام کے آخری حدود تک کے شہروں میں کتابوں کا کوئی بازار قائم ہوا ہو۔ حالانکہ شام کے بعض شہروں میں بڑے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے — کتابوں کی کثرت کے ساتھ ساتھ کاتبین و نسّاخ اور مجلّدین و زرنگاروں کی قدر و قیمت بھی بڑھتی گئی۔ چنانچہ قدیم زمانے ہی سے اس قسم کے پیشے مروّج تھے۔ اور سوسائٹی کے لئے انتہائی ضروری تصوّر کئے جاتے تھے۔ ناسخ جتنا زیادہ اچھا لکھتا اتنے ہی زیادہ پیسے کماتا تھا۔ ایسے ہی مجلّد اور زرنگار اپنے اپنے فن کے مطابق کسب کرتے تھے۔ بہت سے علماء خطِ منسوب یعنی قاعدے والا خط لکھ کر یا غیر معمولی کتابیں لکھ کر گذارا کرتے تھے۔ انھیں علماء میں بعض ایسے بھی تھے۔ جو عہدہ و منصب سے کنارہ کشی کرتے اور نسخ یا کتابوں کی تجارت پر زندگی گذارنے کو اچھا سمجھتے تھے۔ اب ہر بڑے شہر میں کتابوں کا ایک بازار لگنے لگا۔ جہاں علماء و ادباء آتے تھے۔ قابلِ حیرت بات یہ ہے کہ بعض علماء نے سو سو کتابیں لکھیں۔ اور بعضوں نے تو اپنی زندگی میں ہزار ہزار کتابیں نسخ کیں۔ اب مؤلف کے ہاتھ سے کتاب نکلنے کی دیر رہتی تھی۔ اگر مؤلف مشاہیر اور ثقات میں سے ہے تو سبحان اللہ۔ کتاب اس کے ہاتھ سے نکلی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل ہوئی، کسی نے جلد بنائی اور بازار میں فروخت کردی، کسی نے خریدا اور صندوقوں میں رکھ دیا۔ تاکہ علماء اور طالبین اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں اور کتاب کے شوقین حضرات اس سے لطف اندوز ہوں۔ ساتویں صدی ہجری سے گیارھویں صدی ہجری تک کا زمانہ دمشق کے لئے بے مثال زمانہ ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں دمشق کے کثیر التعداد مدارس میں سے کوئی مدرسہ ایسا نہیں تھا جس میں اساتذہ اور تلامذہ کے مقاصد و ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی و وافی ذخیرۂ کتب نہ ہو۔ اہم تر مدارس میں جہاں ایسی لائبریریاں تھیں۔ مدرسہ عمریہ، مدرسہ عزویہ، مدرسۂ ناصریہ، مدرسہ عادلیہ اور مدرسہ اشرفیہ قابلِ ذکر ہیں۔ فتاوی التقی السبکی میں دارالحدیث اشرفیہ کے وقف کا ایک وثیقہ محفوظ ہے جس میں تحریر ہے کہ خازن الکتب کو ہر مہینہ اٹھارہ درہم دئے جائیں۔ خازن الکتب کا فرض ہوگا کہ کتابوں کی ترمیم کا خیال رکھے۔ اور ناظر یا نائب ناظر کو اس کے بارے میں

بحال رہے۔ تاکہ وہ بروقت تبدیلی کر سکے۔ ایسے ہی جب کسی کتاب کی تصحیح یا مقابلے کی ضرورت پڑے تو ناظر کو باخبر کرے۔ اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ وقف کا ایک حصہ مدرسہ نوریہ پر بھی خرچ کیا جائے۔ اسی سے کاغذ اور آلات نسخ کے اخراجات بھی پورے کئے جائیں۔ اس میں سے کتابیں ایسے ہی شخص کو دی جائیں جو اپنے استفادہ و تحصیل کی خاطر لکھنا چاہتا ہو۔ اس شخص کو ہرگز نہ دی جائیں جو کمانے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر لکھنا چاہتا ہو" ۱۶۳۲ء میں یہ وثیقہ تحریر کیا گیا۔

پندرھویں صدی عیسوی سے لبنان کے (کنیسہ) موارنہ کے راہب اپنے خالی اوقات کو دینی اور علمی مخطوطات کے نسخ میں لگانے لگے۔ بلکہ بعض پادریوں اور اُسقفوں نے اپنے ماتحت راہبوں کو کتابیں لکھنے پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ وہ کتابیں لکھ کر پہاڑی علاقوں میں اُن کو فروخت کرتے۔ جیساکہ شہری زندگی میں مسلم علماء کرتے تھے۔ اس طریقے پر کتابوں کی کثرت ہوتی گئی۔ اور لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے گئے جیسے یہ بھی کوئی مقدس فریضہ ہو۔ یا لوگوں نے اسے بھی اللہ کی عبادت تصور کیا کہ اس کو یاد کریں اور اس کو مجلد کریں اور اس کو پائیدار بنائیں یا اس پر حاشیے چڑھائیں اور اس کو دوسرے صحیح نسخوں سے مقابلہ کریں۔ اس کے لئے فہرست وضع کریں، کتابوں کے لئے موٹے مضبوط کاغذ کا انتخاب کرتے تاکہ وہ پائیدار ہو جلد کے لئے نفیس عمدہ قسم کے چمڑے لاتے، کتابوں کی اتنی خدمت اس لئے کی جاتی کہ اس میں عقلوں کا ثمرہ اور برسوں کے افکار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کے اوپر دستِ بخل کو سخت کر دیا جائے۔ اور اس کو زمانے کی دست درازیوں سے پوری طرح محفوظ رکھنے کی ہر ممکن عملی تدبیر کی جائے۔ اور اس کی بقاء و تحفظ کی خاطر پورے پورے سامان مہیا کئے جائیں۔

بُرہان کے پُرانے پرچے درکار ہیں

دفتر کو مندرجہ ذیل شماروں کی فائل مکمل کرنے کے لئے ضرورت ہے، مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

جنوری ۱۹۴۱ء لغایت دسمبر ۱۹۴۱ء عموماً اور فروری ۱۹۴۱ء جولائی و اگست ۱۹۴۱ء خصوصاً

نیز جنوری ۱۹۴۲ء لغایت دسمبر ۱۹۴۲ء کے تمام رسائل، اور جو حضرات پرانے پرچے الگ کر دینا چاہتے ہوں اُن سے درخواست ہے کہ دفتر کو مطلع فرما دیں اور پرچوں کی جلد و شمارہ نمبر کا حوالہ بھی دیدیں، ضرورت کے پرچوں کے عوض ہم خریداروں کی مدت میں توسیع کر دیں گے، اعزازی اور تبادلے کے طور پر جن حضرات کی خدمت میں بُرہان پہونچتا ہے وہ حضرات اگر فائل تیار کر کے رکھنے کے عادی نہ ہوں تو ایسے حضرات سے ہم بجا طور پر توقع کر رہے ہیں کہ وہ ادارہ کی لائبریری کو موجود رسائل مفت پیش فرما دیں، ادارہ اُن کی پیشکش کو شکریہ کے ساتھ قبول کرے گا۔

نیازمند :- محمد ظفر احمد خان، منیجر بُرہان دہلی ۲